مسعود الحسن ضیاء*

”اسرارِ خودی“: ردِّ عمل کی لہریں

اســـــرارِ خـــودی جس دور میں تخلیق ہوئی وہ بین الاقوامی سطح پر عجیب کشمکش اور انتشار کا دور تھا۔ بالخصوص دنیا ے اسلام سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے ایک بڑے بحران سے گذر رہی تھی۔ اس دور میں جزائر شرق الہند یعنی انڈونیشیا، ملایشیا ڈچ اقوام کے زیرِ سایہ تھے۔ یہ قوم علمی، ادبی، سیاسی اور ثقافتی معیار پر قریب المَوت تھی۔ افغانستان جہالت، قبائلی عصبیت اور تقلید ملائیت کے دبیز گہرے بادلوں میں گھرا ہوا تھا۔ وسطی ایشیا کے ترک مسلمان ۱۸۷۳ء سے روسی غلامی میں حالتِ جمود میں تھے۔ ایرانی ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے پھندے میں گرفتار تھے۔ ترک جو کبھی ویانا یعنی قلبِ یورپ پر دستک دیا کرتے تھے، مردِ بیمار بن گئے۔ ۱۹۱۱ء میں جب اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا ترک اس کی حفاظت کی خاطر فوج روانہ نہ کر سکے۔ اور وہاں کے عالموں کا یہ حال تھا کہ انھوں نے قرآن کریم کے کسی دوسری زبان میں ترجمے کو کفر قرار دیا ہوا تھا۔ مصر پر انگریز قابض ہو چکے تھے، سوڈان میں مہدی سوڈانی شہید ہو چکے تھے۔ برِاعظم افریقہ کے عظیم ممالک الجیریا اور تیونس پر فرانس قبضہ کر چکا تھا۔ اور مراکش آخری سانسوں پر تھا۔ مسلمانانِ ہند ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی ہار کر غلامی اور بے حسی کی زندگی گذار رہے تھے۔ غرض عالمِ اسلام میں اسلام چند مذہبی رسومات اور فلسفۂ کلام بن چکا تھا۔ قرآن کی تلاوت تو کی جاتی تھی مگر معنوں پر کبھی غور نہ کیا جاتا تھا۔

اقبال جو صدیوں بعد اسلام اور عالمِ اسلام کے لئے باعثِ اقبال ہوئے جب ۱۹۰۵ء میں بغرض

اعلیٰ تعلیم یورپ گئے، تو ان کی طبیعت جو ایک روحانی و ذہنی انقلاب کے دہانے پر تھی، تیزی سے انقلاب کی بلندیوں پر چلی گئی اور وہ عالم اسلام اور بالخصوص ہندوستان اور یورپ کا موازنہ کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ اقبال جب انگلستان سے واپس آئے تو وہ ایک نیشنلسٹ ہندوستانی کی بجائے نظریہ ملت (اسلامی قومیت) کے حامی ہو چکے تھے اور عالم اسلام کی ترقی وارتقا کے مقاصد ان کے پیش نظر تھے ۔ انھی محرکات کے تحت مثنوی اسرارِ خودی کی تخلیق ہوئی ۔

علامہ اقبال مثنوی کی بابت عطیہ فیضی کو ۷ جولائی ۱۹۱۱ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

قبلہ والد صاحب نے فرمائش کی ہے کہ حضرت بوعلی قلندر کی مثنوی کی طرز پر ایک فارسی مثنوی لکھوں ۔ اس راہ کی مشکلات کے باوجود میں نے کام شروع کر دیا ہے ۔[۱]

شیخ اعجاز احمد مثنوی اسرارِ خودی کی تخلیق کے ابتدائی ایام کے بارے میں لکھتے ہیں:

گرمیوں میں جب عدالتوں کی چھٹیاں ہوتیں تو علامہ اقبال سیالکوٹ تشریف لاتے یہ ان کا معمول تھا ۔ رات کو سب لوگ چھت پر سوتے تھے ۔ علامہ اور ان کے والد بزرگوار کی چارپائیوں کے درمیان حقہ بھر کر رکھ دیا جاتا اور باپ بیٹے دونوں دیر تک علمی گفتگو میں مشغول رہتے ۔ گھر کے لڑکے جن میں شیخ صاحب بھی شامل تھے ان کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ ان بزرگوں کے بدن دباتے رہیں ۔[۲]

۱۹۱۴ء میں مثنوی اسرارِ خودی زیرِ تکمیل تھی اس لیے رات کی مجلسوں میں اسی کا ذکر رہتا ۔ بعض اوقات علامہ اپنے والد کو مثنوی کے اشعار سناتے ۔ ایک دن فرمایا کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو جسے رسولؐ نے پیش کیا تھا، دکھانا چاہتا ہوں کیونکہ ہندوستان کے مسلمان اس عربی اسلام کو بہت کچھ فراموش کر چکے ہیں اور عجمی اسلام کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے ۔ گفتگو کے درمیان تصوف کا ذکر چھڑ گیا ۔ علامہ عجمی تصوف کے رائج الوقت مفہوم کو صحیح نہیں سمجھتے تھے ۔ اکثر ایرانی شعرا پر کڑی تنقید اور نکتہ چینی کرتے اور فرماتے انھوں نے بڑے لطیف انداز میں شعائرِ اسلام پر چوٹیں کی ہیں بلکہ ان کی تردید کی ہے ۔[۳] ایک روایت یہ بھی ہے کہ:

ایک رات اقبال نے خواب میں دیکھا کہ مولانا جلال الدین رومی جو فارسی کے بہت بڑے شاعر، مفکر اور عظیم صوفی بزرگ ہو گذرے ہیں خواب میں ان سے کہہ رہے ہیں کہ مثنوی لکھیں ۔ اگلی صبح اقبال بیدار ہوئے تو ان کی زبان پر اردو کی بجائے فارسی اشعار جاری تھے اور

یہ ایک نئی مثنوی تھی۔[۴]

اسرارِ خودی: ردِّعمل کی لہریں:

اسرارِ خودی پہلی بار اپریل ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی رقم طراز ہیں کہ:

> مثنوی کے پہلے ایڈیشن کی ترتیب یہ تھی کہ شروع میں ایک بے نظیر مقدمہ تھا۔ جس میں علامہ نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا تھا یعنی نفی خودی کے نظریے کی ابتدا اور مسلمانوں میں اس کی اشاعت کے اسباب اور نتائج بیان کرنے کے بعد اسلامی تحریک کا حقیقی مقصد واضح کیا تھا۔ پھر بتایا کہ مسلمان اس مقصد سے کیونکر بیگانہ ہو گئے اور اس بیگانگی کا کیا نتیجہ برآمد ہوا اور آخر میں لفظ خودی کی تشریح درج کی تھی۔ یہ مقدمہ ہر لحاظ سے مفید تھا اور ہے لیکن علامہ نے محض اس لیے اس کو دوسرے ایڈیشن میں شامل نہیں کیا کہ وہ بہت مجمل ہے اور اجمال سے ابہام اور ابہام سے غلط فہمیوں کا دروازہ کھل سکتا ہے۔[۵]
>
> مثنوی کے پہلے ایڈیشن میں افلاطون کے ساتھ ساتھ حافظ شیرازی پر بھی تنقید کی گئی تھی۔ ان اشعار کا شائع ہونا تھا کہ علامہ پر نام نہاد اہلِ تصوف نے الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ ان میں سرِ فہرست اقبال کے دیرینہ دوست خواجہ حسن نظامی تھے۔ خواجہ حسن نظامی خود پس پردہ رہے مگر اپنے مرید ذوقی شاہ سے اسرار خودی کی مخالفت میں ایک مضمون لکھوا کر ۳۰ نومبر ۱۹۱۵ء کے رسالہ خطیب میں شائع کروا دیا۔ ذوقی شاہ نے اپنے تنقیدی مضمون میں اس بات پر زور دیا کہ تصوف کلیتاً اسلام ہے۔[۶]

اس مضمون کے جواب میں اقبال کے کسی حامی کشاف کا ایک مضمون ۲۲ دسمبر ۱۹۱۵ء کے اخبار وکیل میں چھپا۔ اس مرحلے میں خواجہ حسن نظامی خود میدانِ کارزار میں اتر آئے۔ اور انھوں نے وکیل اخبار میں ''کشافِ خودی'' کے نام سے مضمون تحریر کیا۔ انھوں نے یورپ کے انقلاب کی مثال دی کہ وہاں مذہب کو خارج کر کے لادینی کا پرچار ہو رہا ہے۔ نادانستہ طور پر ڈاکٹر اقبال صاحب بھی یہی چاہتے ہیں کہ خدا پرستی کے بجائے خود پرستی غالب آئے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

> حافظ شیرازی کی کیسی آبرو ریزی کی ہے، کیسے کریہہ الفاظ سے ان کو یاد کیا ہے۔ اگر وہ سچے ہیں کہ حافظ کے کلام نے مسلمانوں کو کم ہمت بنا دیا تو میں پوچھوں گا کہ آنحضرتؐ نے دنیائے مردار کی مذمت کی ہے، اس سے مسلمانوں کی ہمت نہ ٹوٹی؟ آنحضرتؐ اور صحابی دین کو مقدم

اور دنیا کو موئخر کہتے تھے انھوں نے کیسی کیسی فتوحات کیں۔ اسرار خودی دنیا کو مقدم کہہ کے کیا دکھا سکے گی؟ اسرار خودی میں کن کن یورپین فلاسفروں کی روح ہے ؟ اس کو ذرا سمجھ لینے دو۔ گو ہم بے علم ہیں، بے سہارا ہیں مگر دین کی حمایت میں ہم سے جو کچھ بن پڑے گا کریں گے۔ اقبال سے خدا نخواستہ دشمنی نہیں دوستی کو عقائد میں حائل ہونے کا حق نہیں۔ مسلمان اپنی مذہبی رائے میں کسی دنیاوی تعلق کا پابند نہیں ہوسکتا لہٰذا میں بھی نہیں ہوں۔ [۷]

اس کے جواب میں اقبال نے جناب شاد کو ۱۴ اپریل ۱۹۱۶ء کو لکھا:

نہ خواجہ حسن نظامی رہے گا نہ اقبال۔ یہ بیج جو مردہ زمین میں اقبال نے بویا ہے اُگے گا، ضرور اُگے گا۔ اور علی الرغم مخالفت بار آور ہو گا۔ مجھ سے اس کی زندگی کا وعدہ کیا گیا ہے الحمدللہ [۸]

خواجہ حسن نظامی نے اکبر الٰہ آبادی کو بھی اپنا ہموا بنا لیا یہاں تک کہ ایک خط میں اکبر الٰہ آبادی ۱۶ اگست ۱۹۱۶ء کو مولانا عبدالماجد دریا بادی کو لکھتے ہیں کہ:

سمجھ نہیں آتا کہ اقبال تصوف کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہیں [۹]

اکبر الٰہ آبادی علامہ سے اتنی حد تک دور ہو چکے تھے جب اقبال نے انھیں رموز بیخودی بھیجی تو انھوں نے اس بابت پھر مولانا عبدالماجد دریا بادی کو ۱۱ جون ۱۹۱۸ء کو لکھا:

اقبال صاحب نے جب سے حافظ شیرازی کو اعلانیہ برا کہا ہے میری نظر میں کھٹک رہے ہیں۔ ان کی مثنوی اسرار خودی آپ نے دیکھی ہوگی۔ اب رموز بیخودی شائع ہوئی ہے میں نے نہیں دیکھی دل نہیں چاہا۔ [۱۰]

علامہ نے اکبر الٰہ آبادی کو ۱۱ جون ۱۹۱۸ء کو خط لکھا اور انھیں صفائی دی اور لکھا:

میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں مجھ سے پہلے حضرت علاءالدولہ سمنانی یہی بات لکھ چکے ہیں، حضرت جنید بغدادی لکھ چکے ہیں۔ میں نے تو شیخ محی الدین عربی اور منصور حلاج کے متعلق وہ الفاظ نہیں لکھے جو حضرت سمنانی اور جنید نے ان بزرگوں کے متعلق ارشاد فرمائے۔ ہاں میں نے ان کے عقائد اور خیالات سے بیزاری ضرور ظاہر کی ہے۔ [۱۱]

پھر ۲۰ جولائی ۱۹۱۸ء کو اکبر الٰہ آبادی کو لکھا:

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ مجھ پر عنایت فرمایئے عنایت کیا رحم کیجیے اور اسرار

> خودی کوایک دفعہ اول سے آخر تک پڑھا جائے۔ جس طرح منصور کو شبلی کے پتھر سے زخم آیا اور اس کی تکلیف سے اس نے آہ فریاد کی اس طرح آپ کا اعتراض مجھ کو تکلیف دیتا ہے۔[۱۲]

جن لوگوں نے مثنوی پر اعتراضات کیے، ان میں فیروزالدین طغرائی اور مشیر حسین قدوائی شامل تھے جنھوں نے اقبال کے خلاف مضامین شائع کروائے اور پیرزادہ مظفر احمد اور جہلم کے ایک ٹھیکیدار ملک محمد نے اسرار خودی کے خلاف مثنویاں تحریر کیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۶۲ء میں خواجہ معین الدین جمیل نے اسرار خودی کے جواب میں مثنوی سر الاسرار تحریر کی اس مثنوی پر پوری بحث اقبال دشمنی ایک مطالعہ میں پڑھی جا سکتی ہے۔[۱۳]

تاہم مثنوی کی تعریف و تحسین بھی کی گئی۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے ۱۹۱۵ء میں اسرار خودی پر مفصل تبصرہ قلم بند کیا۔ لکھتے ہیں:

> اقبال کاروان ملت کا سالار ہے۔ اس کے کلام میں وہ زندگی اور طاقت ہے جسے موجودہ نسل پرانے شعرا کے کلام میں تلاش کرتی تھی لیکن بے سود۔ مجھے یہ کہنے میں مطلق باک نہیں کہ اقبال ہمارے درمیان مسیحا بن کر آیا اس نے مُردوں میں زندگی کے آثار پیدا کر دیے ہیں۔ یہ مثنویاں ایسے غیر فانی کام کا جز ہیں جو تکمیل کے بعد اسلامی دنیا کے خواب کی صحیح تعبیر ہوگا۔ میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ یہ تصوف یعنی عجمی تصوف بعد کی پیداوار ہے اور ہمارے دین کی روح کے منافی ہے۔ اقبال کے فلسفے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اسلامی عقائد کو افلاطون کے اثرات سے پاک کر دے۔
>
> اقبال اور آج کل کے صوفیوں کے مابین جنگ کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس نے حافظ کی شاعری پر تنقید کی، دوسری وجہ یہ ہے کہ آج کل کے پیروں کی غیر اسلامی زندگی اور ان کے جرائم کی نہ صرف تاویل کی جاتی ہے بلکہ ان کو متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اقبال نے اس طرز عمل کے خلاف بھی صدائے احتجاج بلند کی ہے۔
>
> جب اسرار خودی شائع ہوئی تو بعض صوفی اور پیر جو روایات باطلہ کی پابندی میں گرفتار ہیں اور شریعت حقہ سے ناواقف ہیں اقبال کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو ورغلایا کہ اقبال کو دار پر کھینچ دو۔ کیونکہ یہ لوگوں کو مغربی مادیت کی تعلیم دیتا ہے۔ اقبال ان

لوگوں میں سے ہے جوایک پیغام اور مقصد لے کر دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اس (اقبال) نے اپنے عصا سے چٹان پر ضرب لگائی جس سے وہ چشمہ پھوٹا ہے جو بنی اسرائیل کے چشموں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"[۱۴]

مولانا محمد علی جوہر نے بھی مثنوی اسرار و رموز کے بارے میں اپنے قلبی تاثرات پر مبنی ایک مضمون قلم بند کیا جس کے کچھ حصے پیش ہیں۔

دسمبر ۱۹۱۸ء کا زمانہ تھا جب ہمارے دوست اقبال کے پاس سے یکے بعد دیگرے دو مختصر کتابیں موصول ہوئیں۔ دیگر ہندی مسلمانوں کی طرح جو واقف ہونے کے باوجود اقبال سے ناواقف تھے میں بھی برسوں سے اقبال کو جانتا تھا اور کچھ عرصے سے جب کبھی لاہور جانا ہوتا ان کا مہمان ہوتا تھا۔ اور اس بات کا مشاہدہ کرتا تھا کہ وہ اس حد تک وکالت کرتے ہیں جس سے قوت لایموت حاصل ہو سکے۔ باقی وقت وہ اپنے محبوب موضوع فلسفہ اور ادب کے مطالعے میں اور زیادہ تر اس اثر انگیز شاعری میں صرف کرتے ہیں جس کے ذریعے وہ ہندی مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کر رہے ہیں۔ جب ہم دونوں بھائیوں نے اقبال کی یہ مثنوی اسرار خودی پڑھنی شروع کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ تصنیف سابقہ کلام کے مقابلے میں بہت زیادہ بلند پایہ ہے۔ ان کے آتش فشاں اردو کلام کے مقابلے میں ابتدائیہ مثنوی بے جان اور سرد معلوم ہوئی لیکن جونہی پہلا باب ختم ہوا جس میں انھوں نے اپنے فلسفے کا موضوع پیش کیا ہے تو ہمیں محسوس ہوا کہ مرمر کی مورتوں میں بھی حرارت رواں ہو گئی ہے۔ کامریڈ کی ضمانت کے مقدمے میں متعدد مرتبہ لاہور جانا پڑا اور میں نے ان کی زبان سے مثنوی کے بعض حصے سنے تھے۔ لیکن اس وقت میں اس کی عظمت کا صحیح اندازہ نہ کر سکا۔ اب جب کہ پوری مثنوی کا مطالعہ کیا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ فلسفی شاعر اپنے انوکھے انداز میں اسلام کے اعلیٰ بنیادی حقائق پیش کر رہا ہے جن کا خود میں نے بڑی دشواری کے بعد ادراک کیا تھا۔

عام طور پر مسلمان توحید کے حقیقی مفہوم سے آشنا ہونے کے باوجود یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ گویا اس سے پوری طرح واقف ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کا مفہوم ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ پوری قوت کے ساتھ توحید کی اصل حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کرے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کا میں نے بطور خود ادراک کیا تھا۔

> اوراس نکتہ نظر کو اقبال نے انھی مثنوی میں ازسرنو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے تا کہ دنیا میں حکومت الٰہیہ دوبارہ قائم ہو سکے۔[۱۵]

مولانا اسلم جیراج پوری نے اس لایعنی بحث کو ختم کیا۔ان کا یہ مضمون ۱۹۱۹ء فروری میں لکھنؤ کے رسالہ الناظر میں شائع ہوا۔لکھتے ہیں:

> ... خواجہ حافظ کے کلام کے متعلق اس قسم کی رائیں پہلے سے بھی لوگوں میں چلی آتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس کے اوّل مجرم نہیں ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت عالمگیر نے عام منادی کرا دی تھی کہ دیوان حافظ کوئی نہ پڑھے۔نیز مولانا حالی مرحوم نے حیات سعدی میں لکھا ہے، 'خواجہ حافظ کی غزلیں ہمیشہ سے سامعین کو چند باتوں کی ترغیب دیتی ہیں حقیقی عشق کے ساتھ مجازی عشق،صورت پرستی اور کام جوئی کو بھی دین اور دنیا کی نعمتوں سے افضل بتاتی ہیں۔علم و ہنر،نماز،روزہ،حج،زکوۃ،زہد،تقویٰ غرض کسی شے کو نظر بازی اور شاہد پرستی نہیں ٹھہراتیں۔وہ عقل و تدبیر،مسآل اندیشی تمکین و وقار،ننگ و ناموس جاہ منصب وغیرہ کی ہمیشہ مذمت کرتی ہے اور آزادی،رسوائی،بدنامی وغیرہ کو جو عشق کی بدولت حاصل ہو تمام حالتوں سے بہتر ظاہر کرتی ہے۔' پیرزادہ صاحب نے خودی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خواجہ حافظ کی حمایت کے جوش میں ڈاکٹر صاحب کے مفہوم کو سہواً یا قصداً نظر انداز کر دیا ہے۔خودی کا عرفی مفہوم لے کر پیرزادہ صاحب نے جو اعتراضات کیے ہیں ان تیروں کا نشانہ ڈاکٹر صاحب نہیں ہیں کیونکہ لفظ خودی کا مفہوم دوسرا قرار دیا ہے۔ایسی صورت میں یہ بحث بالکل لفظی ہے۔[۱۶]

جن دنوں اقبال کی مثنوی پر ہنگامہ کمال عروج پر تھا،علامہ سیالکوٹ تشریف لائے تو اپنے والد سے بھی اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا۔علامہ نے فرمایا کہ میں نے حافظ کی ذات اور شاعری پر تو حملہ نہیں کیا بلکہ ایک اصول کی وضاحت کی ہے،تو علامہ کے والد نے فرمایا۔اگر حافظ کے عقیدت مندوں کو ٹھیس لگائے بغیر اصول کی تشریح کر دی جاتی تو اچھا تھا۔علامہ نے اس کے جواب میں کہا یہ حافظ پرستی بھی تو بت پرستی سے کم نہیں، اس پر ان کے والد نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے تو بتوں کو بھی برا کہنے سے منع فرمایا ہے اس لیے مثنوی کے وہ اشعار جن پر عقیدت مندانِ حافظ کو اعتراض ہے آئندہ ایڈیشن میں ان کا حذف کر دینا ہی مناسب ہوگا۔ علامہ نے اس پر زبان سے کچھ نہ کہا بس مسکرا کر رہ گئے۔اور اپنے والد محترم سے بحث کرنے کی بجائے ان کے

حضورِ سر تسلیم خم کر دیا اور بعد کی اشاعتوں میں وہ پینتیس ۱۳۵ اشعار حذف کر دیے۔[۱۷]

ڈاکٹر نکلسن نے اس مثنوی کا انگریزی ترجمہ کیا تو اپنے دیباچے میں اس کا تعارف کرواتے ہوئے جو کچھ لکھا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

> اقبال نے خودی کا نظریہ پیش کر کے بتایا کہ مثالیت (idealism) اور تصوف نے مسلمانوں کو زوال سے دوچار کیا ہے۔ اپنے آپ کو پہچاننے اور اپنی شخصیت کو نکھارنے سے مسلمان کامیابی کی طرف گامزن ہو سکتے ہیں۔ حافظ کی بے خودی سے کنارہ کر کے رومی کی گرم جوشی اور تندی کو اپنایا جائے۔ وحدانیت کامیابی کا راستہ ہے جو کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنایا۔ ہر مسلم کا فرض ہے کہ اپنی شخصیت کی آبیاری کرے تب ہی وہ اپنے رب کو راضی کر کے اللہ کے دین کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ عمومی طور پر میرا (نکلسن کا) خیال ہے کہ اسرار خودی کا مواد قاری کو چونکا دینے والا ہے۔ اگرچہ شاعری میں فلسفہ مختلف پیرائے میں بیان ہوتا ہے اور دلیل شعر کے پردے میں چھپی ہوتی ہے۔ اس کا دل نواز انداز دماغ سے پہلے دل پر قبضہ کر لیتا ہے۔[۱۸]

اسرار خودی کے انگریزی میں ترجمے کے بعد انگلستان کے دانشور مسٹر ڈکنسن نے اس پر کڑی تنقید کی جس کا اقبال نے جواب دیا۔ ڈکنسن اقبال کو مغربی فلاسفر کا مقلد سمجھتے تھے۔ ڈکنسن کہتے ہیں:

> ... اسی دوران اقبال کی توجہ نطشے اور برگساں کی طرف منعطف ہوئی۔ اقبال نے مکمل شخصیت کا تصور میک ٹیگرٹ سے لیا ... وجود کا فلسفہ شخصیت کی تعمیر سے عبارت ہے اس کی تکمیل عشق سے ہوتی ہے انجام کار بجائے اس کے کہ انسان خدا میں جذب ہو جائے خدا کی ذات انسان میں جذب ہو جاتی ہے۔ اقبال "ہمہ اوست" کے شدید مخالف ہیں جو کہ افلاطون کے فلسفے نیز تصوف کا بطلان ہے ... مندرجہ بالا نظریہ صرف فلسفہ دانوں کا میدان ہے لیکن اقبال کی اڑان یہاں تک محدود نہیں بلکہ وہ دو قدم آگے بڑھ کر سیاست کے میدان میں داخل ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا ہے محمدؐ ان کے پیغمبر ہیں اور قرآن ان کی بائبل ہے۔ جوان کو یہی سبق سکھاتی ہے کہ اسلام قرونِ اولیٰ والا عروج حاصل کر لے۔ لہٰذا مسلمانوں کا نوجوان طبقہ اقبال کا دیوانہ ہے ... اگرچہ اقبال کا پیغام آفاقی ہے لیکن صرف اہل اسلام کے لیے ہے باقی لوگ یا غیر متعلق رہیں یا اسلام کے دائرے میں آئیں ... مغرب والوں کا خیال ہے کہ شاید مشرق والوں کی دانش کوئی راستہ دکھائے لیکن اقبال کے

فرمان کے مطابق مشرق والے ہتھیار اٹھالیں اور مغرب کو فتح کر لیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ قتل و غارت و تباہی، کیا یہی اقبال کا فلسفہ ہے۔؟[۱۹]

اقبال نے ان سب باتوں کا جواب (نکلسن کے نام ایک طویل خط میں دیا جو کہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء کو لکھا گیا):

> شفیع کے نام آپ کے خط سے مجھے یہ جان کر از حد مسرت ہوئی کہ اسرار خودی کے ترجمے کی انگلینڈ میں بہت پذیرائی ہوئی تاہم بعض انگریز تبصرہ نگاروں کو میرے اور نطشے کے بعض خیالات کی سطحی مشابہت سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایتھینم (Athenaeum) کے نامہ نگار کے خیالات بہت حد تک حقائق کی غلط فہمی پر مبنی ہیں جس کے لیے اسے بھی ذمے دار قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اسے اگر میری ان اردو نظموں کی تاریخ اشاعت معلوم ہوتی جن کا اس نے اپنے تبصرے میں حوالہ دیا ہے تو میری ادبی سرگرمیوں کے نشو و ارتقا سے متعلق اس کا زاویۂ نگاہ بالکل مختلف ہوتا۔ وہ انسان کامل کے بارے میں میرے نظریے کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکا۔ اور اس نے خلط مبحث کر کے اسے جرمن مفکر کے نظریۂ فوق البشر سے ملا دیا ہے۔ بیس سال سے اوپر عرصہ ہوا جب میں نے انسان کامل کے صوفیانہ تصور پر ایک مضمون لکھا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ میں نے نطشے کے خیالات نہ ابھی پڑھے تھے نہ سنے تھے۔[۲۰]

اس مکمل بحث کے بعد بھی کچھ لوگ یہ تصور کریں کہ اقبال تصوف کے خلاف ہیں تو ان کے لیے آخر میں یہ دو حوالہ جات کافی ہیں۔

۱۔ اہل اللہ سے اقبال کی ارادتمندی شروع ہی سے تھی اور آخر عمر تک قائم رہی۔ اس سال مولانا تاج الدین (ناگپوری) سے اشتیاق ملاقات پیدا ہوا۔ حکیم اجمل خاں دہلوی اور بعض دیگر احباب سے ان کی تعریف سنی۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے نام چند خطوط میں اس شوق ارادت کا اظہار کیا ہے لیکن یہ ملاقات نہ ہو سکی۔ شاد کو خط لکھتے ہیں:

> میرا قصد بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ہے۔ بعض وجوہ سے تجدید بیعت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ سنتا ہوں کہ وہ مجذوب ہیں مگر آج کل زمانہ بھی مجاذیب کا ہے۔ بہر حال اگر مقدر میں ہے تو ان شاءاللہ ان سے مشکل کا حل ہوگا۔[۲۱]

۲۔ نیاز الدین خاں کے یہ لکھنے پر کہ اُنھیں خواب میں نبی کریمؐ کی زیارت نصیب ہوئی، اقبال لکھتے ہیں:

> اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے ... میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ زندہ ہیں۔ اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔[۲۲]

امسال یعنی ۲۰۱۵ء میں اسرارِ خودی کی اشاعت کو ایک سو سال مکمل ہو چکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ فکرِ اقبال سے استصوابِ فیض کے لیے اس مثنوی کے مضامین کو ایک بار پھر موضوعِ مطالعہ بنایا جائے تا کہ فکرِ اقبال کی مکمل تفہیم ممکن ہو سکے۔

حوالہ جات

٭ ادیب و اقبال شناس، ۲۳۳-پی، جنرل آفیشل کالونی، ماڈل ٹاؤن، پی، بہاول پور۔

۱۔ شیخ عطاء اللہ، مرتب اقبال نامہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۳۶۔

۲۔ غلام حسین ذوالفقار، اقبال کا ذہنی ارتقا (لاہور: مکتبہ خیابان، ۱۹۷۸ء)، ص ۵۔

۳۔ فقیر سید وحید الدین، روزگارِ فقیر جلد دوم (لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۳۱۸-۳۱۹۔

۴۔ خرم علی شفیق، سلسلہ آسان کتب: اسرار و رموز (لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۰ء)، ص ۳۔

۵۔ جاوید اقبال، زندہ رود جلد دوم (لاہور: س ان)، ص ۲۲۱۔

۶۔ ایضاً، ص ۲۲۲۔

۷۔ ایضاً، ۲۲۴۔

۸۔ غلام حسین ذوالفقار، ص ۷۵۔

۹۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح اسرار خودی (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، س ان)، ص ۳۴۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۵۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۸۔

۱۲۔ اقبال نامہ، ص ۳۹۱-۳۹۲۔

۱۳۔ پروفیسر ایوب صابر، اقبال دشمنی ایک مطالعہ (لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ص ۲۱۵-۲۵۲۔

۱۴۔ شرح اسرار خودی، ص ۵۶، ۵۵، ۴۲۔

۱۵۔ ایضاً،ص۵۳،۵۲،۵۱۔

۱۶۔ مولانا اسلم جیراج پوری، الناظر لکھنؤ (فروری ۱۹۱۹ء)۔

۱۷۔ فقیر سید وحید الدین، ص ۴۲۰۔

۱۸۔ آرائے نکلسن، *The Secrets of the Self* (لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۴ء)، ص xxxi–vii۔

۱۹۔ رفعت حسن، *The Sword and the Sceptre* (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ء)، ص ۲۸۸۔

۲۰۔ اقبال نامہ، ص ۳۴۰۔

۲۱۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں (لاہور: بزم اقبال، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۷۰۔

۲۲۔ اقبال نامہ، ص ۵۸۲۔

مآخذ

اقبال، جاوید۔ زندہ رود۔ جلد دوم۔ لاہور: س ن۔

پوری، مولانا اسلم جیراج۔ الناظر لکھنؤ (فروری ۱۹۱۹ء)۔

چشتی، پروفیسر یوسف سلیم۔ شرح اسرار خودی۔ لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، س ن۔

حسن، رفعت۔ *The Sword and the Sceptre*۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ء۔

ذوالفقار، غلام حسین۔ اقبال کا ذہنی ارتقا۔ لاہور: مکتبہ خیابان، ۱۹۷۸ء۔

شفیق، خرم علی۔ سلسلہ آسان کتب: اسرار و رموز۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۰ء۔

صابر، پروفیسر ایوب۔ اقبال دشمنی ایک مطالعہ۔ لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء۔

عطاءاللہ، شیخ۔ مرتب اقبال نامہ۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء۔

قریشی، محمد عبداللہ۔ حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں۔ لاہور: بزم اقبال، ۲۰۰۱ء۔

نکلسن، آرائے۔ *The Secrets of the Self*۔ لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۴ء۔

وحید الدین، فقیر سید۔ روزگار فقیر۔ جلد دوم۔ لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء۔